Al-Qawārīr- Vol: 01, Issue: 01, Dec-2019

OPEN ACCESS
Al-Qawārīr
pISSN: 2709-4561
eISSN: 2709-457X
journal.al-qawarir.com

عہدِ جاہلیت کے عائلی قوانین اور رسول اللہ ﷺ کی اصلاحات: ایک تجزیاتی مطالعہ

Pre-Islamic Family Laws in Arab Society and Prophet's ﷺ Reforms (An Analytical Study)

Dr. Riaz Ahmad Saeed*
Lecturer: Department of Islamic Studies, National university of modern languages, Islamabad.
Waqas Shafiq*
Scholar: Department of Islamic Studies, National university of modern languages, Islamabad.

Version of Record
Received: 04-Nov-19 **Accepted**: 24-Dec-19
Online: 30-Dec-2019

ABSTRACT

Islam focusses on marriage due to its great prominence with many benefits and significance that can only be achieved from the institute of family with marriage. In Islamic teachings marriage being a mandatory deed is so vital that it is declared to be one half of a single Muslim's belief. It emphasis mutual environment and contingent nature of men and women's bond. Since the family is the foundation of Islamic society and marriage is the only way to bring families into survival in Islam and even every nation trust up on it. Marriage is an act and in modern term socio-religious contract which pleasing to Allah because it is an agreement with his directives that husband and wife love each other and help each other to make struggles to endure the human race and increase their children to become happy and peaceful. It is also a fact that the issue of marriage and family is not specific to Islam, in every tradition and society marriage is necessary to promote the interest of family, society and nation. We find some important matrimonial laws in pre-Islamic era in Arab society. These laws have some kinds of impotent impact in Islamic context of matrimonial laws. In this study efforts are made to elaborate some pre-Islamic matrimonial laws with reference to Prophet's Muhamamd ﷺreforms in theses laws. As a concluding remarks we may say some laws are remain same as they were before Islam, some were partially changed and some were totally abrogated due to their consequences. Therefore, it is recommended if we want to live happy and blessed life we should adopt Islamic family and matrimonial laws completely with reference to modern context. Analytical, critical and historical research methodology have been used in this study.

Keywords: *Pre-Islamic era, matrimonial laws, Holy Prophet's ﷺ, reforms, analytical study*

تمہید:

عائلی زندگی سے مراد خاندانی زندگی ہے۔ انسان پیدائش سے لے کر موت تک تمام زندگی اپنے خاندان میں گزارتا ہے۔ خاندان کے افراد مختلف رشتوں کی بناپر ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں۔ عائلی زندگی شادی سے وجود میں آتی ہے۔ انسان فطری طور پر محبت کا طلب گار ہے۔ شادی اس کی فطری ضرورت اور طلب کی تکمیل کا قانونی اور مذہبی جواز ہے۔ شادی کا ادارہ ہر قوم اور ملک میں موجود رہا ہے اور ہزاروں سال پر محیط مشتمل انسانی تجربہ بتاتا ہے کہ بنی نوع انسان کی بھلائی اور فلاح اسی خاندانی ادارے کی مرہون منت ہے۔ اللہ نے انسان کو کائنات میں بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ یہ نعمتیں روحانی، جسمانی، جغرافیائی اور حیاتیاتی ہیں۔ گھران تمام نعمتوں کے اجتماع کا نام ہے۔

تشکیلِ خاندان ہی معاشرے کی بقاء کی ضامن ہے۔ اسلام اس تشکیل کی ترغیب دلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نہ صرف ازدواجی زندگی کی ترغیب دیتا ہے بلکہ وہ تمام ضروری اقدامات بھی کرتا ہے جو حقیقی خوشی کے ضامن ہوں۔ اللہ کے ہاں عائلی زندگی کا مقصد نسل انسانی کی بقاء اور اس کی افزائش ہے اور اس پاکیزہ زندگی کا واحد راستہ عقدِ نکاح ہے ورنہ فطرت کے وہ مقاصد کبھی حاصل نہیں ہو سکتے جو وہ اپنے سامنے رکھتی ہے۔ لہٰذا کسی معاشرے کی بنیاد خاندانی نظام مرد و عورت کی پاکیزہ عائلی زندگی ہے۔ جب اس بنیاد کو ہی نیست و نابود کر دیا جائے تو معاشرہ کی شیرازہ بندی کس طرح ممکن ہے اور اسے انتشار سے کیونکر بچایا جاسکتا ہے؟ اسی لیے اللہ نے عائلی زندگی کے استحکام اور بقاء کے لیے نہایت واضح ہدایات دی ہیں۔ اللہ نے زوجین کے تعلق کو حجت و رحمت قرار دیا ہے۔

عائلی مباحث اور ازدواجی مسائل کسی بھی قوم اور معاشرہ کے بنیادی مسائل ہوتے ہیں اور خاندان معاشرتی زندگی کی خشت اول ہے۔ اگر خاندان ٹھیک ہوگا تو سارا معاشرہ ٹھیک ہوگا۔ خاندان میں مرد اور عورت دو بنیادی اکائیاں ہیں جن پر باقی خاندان کا دارومدار ہے۔ اگر یہ دونوں درست رہے تو سارا خاندان پر امن رہے گا اور اگر وہ درست نہیں تو نہ صرف ازدواجی زندگی متاثر ہوگی بلکہ اس کے اثرات معاشرے پر بھی پڑیں گے۔ لہٰذا معاشرتی مسائل میں سے عائلی مسائل سب سے زیادہ اہم ہیں اور ان عائلی مسائل میں سے نکاح و طلاق ایسے امور ہیں جن سے زوجین میں سے ہر ایک کو آگاہ ہونا چاہیے اور ان سے لاعلمی کے سبب آج بہت سارے خاندان اور گھر اذیتیں برداشت کر رہے ہیں اور سماجی بے انصافی کی شکایت کر رہے ہیں۔ چنانچہ نکاح و طلاق کے بنیادی مسائل سے آگاہی ہر فرد کی ضرورت ہے کہ ہر فرد کو رشتہ ازدواج سے منسلک ہونا ہوتا ہے۔ عہد جاہلیت میں بہت سارے عائلی قوانین موجود تھے جن میں کچھ ٹھیک تھے جب کہ بہت سارے وہ تھے جس سے معاشرتی خرابیاں پیدا ہو رہیں تھیں رسول اللہ ﷺ نے ان جاہلی قوانین میں بہت سارے قوانین کو بدل دیا جبکہ کئی قوانین میں جزوی تبدیلیاں کرکے ان کو معاشرے کے لئے کارآمد بنایا گیا۔ اس بات یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ اسلام تبدیلی کے لیے امور و معاملات کو مکمل طور پر ختم نیں کرتا بلکہ ان میں موثر تبدیلیاں کرکے ان کو انسانیت اور معاشرے کے لئے کارآمد بناتا ہے۔ اس مقالہ میں عہدِ جاہلیت کے عائلی قوانین اور اس میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کی گئی اہم تبدیلیوں اور اصلاحات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ مقالہ ہمیں بتاتا ہے کہ ان عہد جاہلیت کے قوانین میں اسلام نے کون کون سی تبدیلیاں کیں جس سے وہ معاشرہ اور خاندان امن کا گہوارہ بن گئے۔

عہد جاہلیت کے عائلی قوانین:

ہر قوم کی تعمیر و ترقی اور خوشحالی میں اس کے عائلی قوانین بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ پر سکون، خوشحال معاشرہ اور خاندانی زندگی گزارنے کے لیے عائلی قوانین بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ہر وہ قوم تعمیر و ترقی کی راہ میں تیزی کا شکار نظر آتی ہے جس کے افراد عائلی الجھنوں اور مسائل میں گرفتار ہوں۔ عائلی قوانین کے اثرات اگرچہ افراد پر نظر آتے ہیں مگر افراد قوم کی بنیاد ہیں کیونکہ افراد سے گھر، گھر سے خاندان اور خاندان سے قبیلے بنتے ہیں۔ اسی بنیاد پر تمدن کی عمارت قائم ہوتی ہے اس لیے عائلی قوانین صرف خاندانوں کو ہی فنا گر نہیں کرتے بلکہ ان کے اثرات پوری قوم کی زندگی کے لیے بڑی دور رس اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔

عہد جاہلیت میں مرد اور عورت کے تعلقات اور ان کی نسبت جو قوانین جاری تھے، وہ غیر یقینی اور تبدیلی کی حالت میں تھے۔ باضابطہ نکاحوں کے پہلو بہ پہلو جس سے فریقین کے فرائض اور حقوق کی حیثیت کا تعین ہو جاتا تھا۔ مرد اور عورت کے ایسے باہمی تعلقات بھی موجود تھے جو نکاح کے نام سے موسوم تھے اور جو ان مختلف مدارج کے معنی خیز نشانات تھے جو عربوں کی سوسائٹی کو طے کرنے پڑے۔

زمانہ جاہلیت میں نکاح:

عہد جاہلیت میں عربوں کے ہاں کوئی باقاعدہ نکاح کے طریقے رائج نہ تھے بلکہ حالات کے مطابق ان میں تبدیلیاں ہوتی رہتی تھیں یہی وجہ ہے کہ ان کے نکاح کے طریقوں میں تہذیبی اثر نمایاں نظر آتا ہے۔ صحیح بخاری میں ام المومنین حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ زمانہ اسلام ورسالت میں آنحضرت ﷺ سے پہلے جاہلی معاشرے میں میں چار طور سے نکاح جاری تھا۔

((عن ابن شهاب قال: اخبر نی عروة بن الزبير ان عائشة زوج النبی ﷺ اخبرة: ان النكاح فی الجا هلية كان اربعة انحاء فنكاح منها نكاح الناس اليوم، يخطب الرجل الى الرجل وليته او ابنته فيصد قها ثم ينكحها، ونكاح الا خر:... .... فلما بعث محمدﷺ بالحق هدم نكاح الجاهلية كله الا نكاح الناس اليوم-))[1]

"ابن شہاب نے کہا کہ مجھے عروۃ بن زبیر نے خبر دی اور انھیں نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ عائشہؓ نے خبر دی کہ زمانہ جاہلیت میں نکاح چار طرح ہوتے تھے۔ ایک صورت تو یہی تھی جیسے آج کل کے لوگ کرتے ہیں۔ ایک شخص دوسرے کے پاس اس کی زیر پرورش لڑکی یا اس کی بیٹی کے نکاح کا پیغام بھیجتا۔ اور اس کا مہر دے کر اس سے نکاح کرتا، دوسرا نکاح یہ تھا کہ کوئی شوہر اپنی بیوی سے جب وہ حیض سے پاک ہو جاتی تو کہتا کہ فلاں شخص کے پاس (جو اشراف میں سے ہوتا) چلی جاؤ اور اس سے صحبت رکھو۔ اس مدت میں شوہر اس سے جدا رہتا اور اسے چھوتا بھی نہیں۔ پھر جب دوسرے مرد سے اس کا حمل ظاہر ہو جاتا جس سے وہ عارضی طور پر صحبت کرتی رہتی تو حمل کے ظاہر ہونے کے بعد اس کا شوہر اگر چاہتا تو اس سے صحبت کرتا، ایسا اس لیے کرتے تھے تاکہ ان کا لڑکا اچھی نسل سے پیدا ہو یہ نکاح 'نکاح استبضاع' کہلاتا تھا۔ نکاح کی ایک قسم یہ تھی کہ چند افراد جن کی تعداد دس سے کم ہوتی کسی ایک عورت کے پاس آنا جانا رکھتے اور اس سے صحبت رکھتے پھر جب وہ عورت حاملہ ہوتی اور بچہ جنتی، تو وضع حمل پر چند دن گزرنے کے بعد اپنے تمام آشناؤں کو بلاتی۔ اس

موقعہ پر ان میں سے کوئی شخص نکاح نہیں کر سکتا تھا، سب اس کے پاس جمع ہوتے اور وہ ان سے کہتی کہ جو تمہارا معاملہ تھا وہ تمہیں معلوم ہے۔ اور اب میں نے بچہ جنا ہے، اے فلاں! یہ بچہ تمہارا ہے۔ وہ جس کا چاہتی نام لے لیتی اور لڑکا اسی کا سمجھا جاتا۔ وہ شخص اس سے انکار کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ چوتھا نکاح یہ تھا کہ بہت سے لوگ کسی عورت کے پاس جایا آیا کرتے تھے۔ عورت اپنے پاس کسی بھی آنے والے کو روکتی نہیں تھی۔ یہ کسبیاں ہوتی تھیں۔ اس طرح عورتیں اپنے دروازوں پر جھنڈے لگائے رہتی تھیں جو نشانی سمجھے جاتے تھے، جو بھی چاہتا ان کے پاس جاتا اس طرح کی عورت جب حاملہ ہوتی اور بچہ جنتی تو اس کے پاس آنے والے جمع ہوتے اور کسی قیافہ شناس کو بلاتے اور بچے کا ناک نقشہ جس سے ملتا جلتا ہوتا اس عورت کے لڑکے کو اسی کے ساتھ منسوب کر دیتے اور وہ بچہ اسی کا ہو جاتا اور اس کا بیٹا کہا جاتا، اس سے کوئی انکار نہیں کرتا تھا۔ پھر جب محمد ﷺ حق کے ساتھ مبعوث ہوئے تو آپ نے جاہلیت کے تمام نکاحوں کو باطل قرار دیا، صرف اس نکاح کو باقی رکھا جس کے مطابق آج کل لوگوں کو عمل ہے"۔ اگرچہ اس قسم کے نکاح معاشرہ میں رائج تھے لیکن ان کے علاوہ بھی مزید کچھ صورتیں فقہاء نے ذکر کی ہیں جو عہد جاہلیت کے معاشرہ میں رائج تھیں۔"

1۔ نکاح البدل: دو شخص آپس میں اپنی اپنی بیویوں کا تبادلہ کر لیتے ان میں سے ایک اپنی طرف سے کچھ اور دینے کی بھی پیش کش کرتا۔

2۔ نکاح الخدن: یہ وہی صورت ہے جس کا زمانہ فساد میں چلن رہا ہے اور آج بھی مختلف شکلوں میں موجود ہے، بلکہ آج تو اس پر "موڈرن لیبل" لگا لیے گئے ہیں کہیں "کال گرل" کہیں " گرل فرینڈ" یعنی دونوں اپنی رضامندی کے ساتھ چھپ کر تعلق قائم کر لیں اور یہ تعلق ظاہر نہ ہونے پائے ورنہ عیب سمجھا جاتا تھا۔[2] اس بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ﴾ [3]

"اور نہ چھپی یاری (دوستی) کرنے والیاں۔"

اس طرح اس حرکت سے منع کیا گیا ہے۔

3۔ نکاح المتعۃ: محدود وقت کے لیے کسی عورت سے جنسی تعلق کائم کر لینے کا باقاعدہ معاہدہ کر لیا جاتا تھا۔

(("ویظہر من دراسة کل ماورد فی کتب اھل الا خبار وفی کتب التفسیر و الحدیث عن الزواج و الطلاق عند الجاھلیین ان اھل الجاھلیة لم یکونوا یسیرون علی سنة و احدة فی عرف الزواج والطلاق؛ ولکن کانوا یسیرون علی اعرف مختلفة اختلفت باختلاف الا ماکن و با ختلاف الاوضاع الا جتما عیة و الا اقتصادیة و اتصا لھا بالخارج۔ وقد وردت الینا مسمیات من تلک الانواع، مثل (الخدن) و (المتعة) و(البدل) و(الشغار) و(البعولته) و ذواج ذوات الرأیات وغیرہ ذلک مماوردوصفه و شر حه، ولکنه لم ینعت باسم معین۔(4)معنی نکاح المتعة، تحدید مدة الزواج بوقت معین مقابل جعل ماری کان یقول: خذی ھذہ العشرة و اتمتع بک مدة معلومة فتقبله-"))[5]

"اخباریوں اور کتب تفسیر و حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جاہلیت کے ہاں نکاح اور طلاق کا کوئی طریقہ نہیں تھا لیکن وہ مختلف طریقوں پر عمل پیرا تھے جو مکان اور زمان اور اجتماعی احوال اور اقتصادی احوال کے لحاظ اور خارجی تعلقات کے اعتبار سے مختلف ہوتے تھے۔اس لیے نکاح کے مختلف نام ذکر ہوتے جیسا کہ نکاح خدن، نکاح متعہ، نکاح بدل، نکاح الشغار و نکاح البعولۃ و نکاح ذوات الرایات وغیرہ لیکن نکاح متعہ کے وقت معین کے ساتھ موصوف نہیں تھا البتہ نکاح متعہ کا مطلب یہ ہے کہ اتنے پیسے لے لو اور اتنی مدت مجھے تمتع حاصل کرنے کی اجازت دے دو۔"

4۔ **نکاح الشغار:** اس قسم میں لڑکی کا ولی بغیر مہر کے دوسرے شخص سے اس کی کسی رشتہ دار لڑکی سے بغیر مہر کے شادی کرے۔

"نکاح شغار کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن دوسرے شخص کے نکاح میں دے اور اس کے بدلے دوسرے شخص کی بیٹی یا بہن سے نکاح کرلے اس شرط پر کہ مہر دونوں کا نہیں ہوگا۔ شغار کا لغوی سے اس کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ شغار کا لغوی معنی ہے کتے کا بول کرنے وقت پاؤں اٹھانا اس کا مطلب یہ سمجھا جاتا تھا کہ اب کتا اپنے انثی پر چھٹ سکتا ہے۔جس سے حاملہ ہو جائے گی اور کہا جاتا ہے کہ عورت نے شغار کیا یعنی اپنے پاؤں اٹھائے ملنے کے لیے۔"[6]

نکاح کی عربوں میں ان اقسام کی تبدیلی ان کی خاندانی زندگی پر تمدنی اثر کو نمایاں کرتی ہے۔ جہاں کبھی نکاح کا مقصد اچھی نسل کا حصول ہے تو کہیں محض خواہشات نفس کی تسکین اور کہیں وقتی فائدہ کا حصول ہے۔ نکاح کے قوانین میں باقاعدگی کا فقدان ان کی تمدنی تبدیلی کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ تمدنی ضروریات اور جنگی حالت میں نکاح کی شکل میں تبدیلی کرتے تھے اور کبھی بعض ایسی حالتوں کو بھی جائز قرار دیتے تھے کہ کوئی بھی مہذب معاشرہ اس کی اجازت نہ دیتا تھا، کیونکہ ناجائز اختلاط سے جو نسل وہ حاصل کرتے تھے اس سے ان کا مقصد معاشرتی ضرورت کو پورا کرنا ہوتا تھا، تاکہ ان کے خاندان میں ایسے اشخاص پیدا ہوں جو کہ مستقبل میں ان کے لیے فائدہ مند ثابت ہوں، لیکن جہاں اس طرح کے نکاح کے طریقے رائج تھے وہاں شرفاء اپنی روایات کا بھی خیال رکھتے تھے یوں یہ خاندانی قوانین میں افراط و تفریط ان پر تہذیبی اثرات کو ظاہر کرتے ہیں۔

"Among the ancient Arabs there existed besides the system of plurality of wives, the custom of entering into conditional, as well as temporary contracts of marriage. These loose notions of morality exercised a disastrous influence on the constitution of society with in the peninsula".[(7)]

"قدیم عربوں کے یہاں متعدد بیویوں کے علاوہ مشروط اور عارضی عقد بھی ہوتے تھے، عائلی اخلاق کے بارے میں اس ڈھیل نے معاشرے کے نظام پر نہایت مضر اثر ڈالا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ایک طرف عربوں میں مثبت روایات کی پاسداری نظر آتی ہے تو دوسری طرف ان کے خاندانی قوانین پر عہد جاہلیت کے اثرات بھی نمایاں نظر آتے ہیں، جو کسی نہ کسی صورت میں انکی خاندانی زندگی کی حقیقی روح کو مسخ کر دیتے ہیں۔"

2۔ **عورت کا حق نکاح:** زمانہ جاہلیت میں نکاح کا معاہدہ کرنے میں عورت کو آزادی حاصل نہ تھی۔ باپ، بھائی، چچازاد بھائی یا دوسرے ذکور اولیاء میں سے کوئی شخص اس کا نکاح جس کسی کے ساتھ بھی چاہتا کر دیتا تھا۔ عورت کی رضامندی خواہ جوان ہو یا

بوڑھی، بیوہ ہو یا باکرہ کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی۔ یہ اکثر ایسے موقع پر عمل میں آتا تھا جب کوئی شخص چند بیوائیں چھوڑ کر مرتا تھا، متوفی کا وارث اس پر چادر ڈال دیتا تھا۔

"القاء الثوب" جو اس امر کی علامت ہوتی تھی کہ ان بیواؤں کو اس نے اپنے استعمال کے لیے مخصوص کر لیا ہے اگر چادر ڈالنے سے پہلے کوئی بیوہ اپنے رشتہ داروں میں بھاگ کر نکل جاتی تھی تو اس متوفی کے ورثاء اس کا مہر ادا کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ یہ دستور متوفی کی بیواؤں کی تقسیم کے نام سے مشہور تھا، اور ان صورتوں میں ورثاء بیواؤں کو مثل دوسرے متروکہ مال کے باہم تقسیم کر لیا کرتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ عورت کی حیثیت ایک استعمالی چیز سے زیادہ نہ تھی۔ عورت مردوں کی ملکیت تصور کی جاتی تھی، عورت کسی چیز کی مالک نہ تھی جب اسکا شوہر مر جاتا تو شوہر کے خاندان والے ہی اس پر قابض ہو جاتے تھے اور اس کی اجازت کے بغیر جہاں چاہتے جبرا نکاح کر دیتے تھے۔[8] کپڑا ڈالنے کی رسم سے پہلے ہی اگر کوئی عورت بھاگ کھڑی ہو اور اپنے میکے آجائے تو وہ چھوٹ جاتی تھی۔[9]

> ((عن ابن عباس قال: كان الرجل اذامات كان اولياؤه احق بامرأته من ولى نفسها ان شاء بعضهم زوجها اوزوجوها ان شاء ولم يزو جوها) فنزلت هذه الا ية" لا يحل لكم ان ترثوا النساء كر هاولا تعضلوهن "))[10]
>
> "عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ جب خاوند مر جاتا تھا تو اس کے وارث اس کی بیوی پر زیادہ حقدار سمجھے جاتے تھے بہ نسبت عورتوں کے وارثوں کے بعض اس کا نکاح اپنے آپ سے کر لیتے یا اگر چاہتے، تو کسی اور سے کر دیتے اگر چاہتے بالکل نکاح نہ کرنے دیتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: (لا يحل لكم ان ترثوا النساء كر هاولا تعضلوهن) "

نہ صرف بھائی باپ اور باقی اور اولیا کو عورت کے نکاح کر دینے کا حق تھا بلکہ اگر عورت بیوہ ہو جاتی تو اس کا بیٹا بھی اس کا نکاح کرنے کا حق استعمال کر سکتا تھا۔ "جب کوئی مر جاتا تو اس کا اس کی بیوی کا زیادہ حقدار سمجھا جاتا اگر چاہتا تو خود اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتا اور اگر چاہتا دوسرے سے نکاح میں دے دیتا مثلاً بھائی کے بھتیجے کے یا جس سے چاہے۔[11] عورت چاہے غیر شادی شدہ ہوتی یا بیوہ، اسے اپنے نکاح کا حق حاصل نہ تھا، یوں وہ اسے اپنے لیے محبوس کر لیتے یا اپنے بیٹوں کے لیے کہ اس سے نکاح کر کے اس کے مال پر بھی قبضہ کر لیں گے۔

کثرتِ ازدواج

زمانہ جاہلیت میں نکاح کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔ ایک شخص کئی بیویاں رکھ سکتا تھا اس کثرتِ ازدواج کے نتیجہ میں جب اس کے مصارف میں اضافہ ہوتا تو اپنی ضروریات کے تکمیل کے لیے وہ اپنی قریبی رشتہ داروں کے مال کو اپنا قبضہ میں لے لیتا تھا، جن میں یتیم بچیاں جوان کے زیر سرپرستی میں ہوتی تھیں ان کے حسن و جمال کی وجہ سے اور اس گمان سے کہ انکے کوئی سرپرست تو نہیں ہیں لہٰذا وہ ان سے خود نکاح کر لیتے تھے اور ان پر ظلم و زیادتی کرتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں جن لوگوں کی ولایت میں یتیم لڑکیاں ہوتی تھیں جو شکل و صورت

سے اچھی سمجھی جاتیں یاان کی ملکیت میں کوئی مال، جائیداد ہوتی توان کے اولیاء ایسا کرتے تھے کہ خود ان سے نکاح کرتے یا اپنی اولاد سے ان کا نکاح کر دیتے تھے جو چاہا کم سے کم مہر مقرر کر دیا، اور جس طرح چاہا ان کو رکھا، کیونکہ وہی انکے ولی اور نگران ہوتے تھے، ان کا باپ موجود نہ ہوتا تھا جو ان کے حقوق کی پوری نگرانی کر سکتا، اور ان کی ازدواجی زندگی کے ہر پہلو پر نظر اور فلاح و بہبود کا مکمل انتظام کر کے ان کا نکاح کر دیتا۔[12] تعداد ازدواج کی وجہ سے عائلی زندگی پر بہت منفی اثرات مرتب ہوتے تھے۔ قدیم عربوں کے یہاں متعدد بیویوں کے علاوہ مشروط اور عارضی عقد بھی ہوتے تھے۔ عائلی اخلاق کے بارے میں اس ڈھیل نے معاشرے کے نظام پر نہایت مضر اثر ڈالا۔

> ((“ومن حق الرجل فی الجاھلیة ان یتزوج مایشاء من النساء من غیر تحدید ولا حصر۔ اذ لم تحددشرائعھم للرجال عدد مایتزوجونه من نسائھم۔فلما جاء الاسلام، حدد العدد و جوز للرجل ان تکون له اربع زوجات فی وقت واحد، ومنعه من تجاوز العدد فی حالة الجمع، بمعنی انه لا یسمح له ان یجمع بین خمس زوجات او اکثر من ذلک فی وقت واحد بشرط العدالة بینھن،فان خاف الزوج الا یعدل بینھن فواحدة۔ویذ کر اھل الا خبار ان اھل الحرم اول من اتخذ الضرائر، والضر ائر زوجات الرجل الواحد، وکل منھا ضرة للا خری".))[13]
>
> "جاہلیت میں مرد کو اجازت تھی کہ جتنی عورتیں چاہے اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے کوئی تحدید نہیں تھی اور جب اسلام آیا تو اس نے مرد کو صرف چار بیویاں رکھنے کی اجازت دے دی اور اس سے زیادہ منع کر دیا ایک وقت اور ان میں عدل کو ضروری قرار دیا اور اخبار بیاں کرنے والے ذکر کرتے ہیں کہ مکہ والے سب سے پہلے لوگ ہیں جنہوں نے ایک وقت میں کئی شادیاں کیں جس کی وجہ سے عورتیں آپس میں سوکن بن گئیں۔"

تعداد ازدواج کی وجہ سے عائلی زندگی پر بہت منفی اثرات مرتب ہوئے تھے۔ قدیم عربوں کے یہاں متعدد بیویوں کے علاوہ مشروط اور عارضی عقد بھی ہوتے تھے۔ عائلی اخلاق کے بارے میں اس ڈھیل نے معاشرے کے نظام پر نہایت مضر اثر ڈالا۔ کثرتِ ازدواج کا ایک تمدنی اثر یہ ہوتا تھا کہ جب ضروریات زندگی بڑھ جاتیں، تو وہ یتیموں کے مال کو غصب کرتے تھے۔ اور اس کے علاوہ یتیم بچیوں کو ان کے حق نکاح سے بھی محروم کر دیتے اور انھیں زبردستی روک لیتے تھے تاکہ یا تو خود ان سے نکاح کر لیں یا اپنے بیٹوں کے نکاح کر کے ان کے مال پر قبضہ کر سکیں اس طرح وہ دوسروں کے حقوق ناجائز طریقے سے غصب کرتے۔ "جو یتیم بچی ان کی ولایت میں ہوتی اسے یہ روکے رکھتے اس امید پر کہ جب ہماری بیوی مر جائے گی ہم اس سے نکاح کریں گے یا اپنے لڑکے سے اس کا نکاح کرادیں گے۔"[14] کثرتِ ازدواج کی وجہ ان کے تمدنی اثرات تھے کیونکہ ان کے ہاں اس چیز کو برا نہیں سمجھا جاتا تھا کہ ایک شخص جتنی چاہتا تھا شادیاں کر لیتا تھا، چاہے وہ ان کے حقوق پوری طرح ادا نہ کر سکتا ہو۔

عہد جاہلیت میں محرمات سے نکاح:

زمانہ جاہلیت میں جن محرمات سے نکاح ممنوع تھا وہ بہت محدود تنگ اور قرابت قریبی کی بنیاد پر قائم تھا، اس میں شک نہیں کہ ایک عرب اپنی ماں، دادی، بہن، بیٹی اور پوتی سے نکاح نہیں کر سکتا تھا اور غالبا پھوپھی اور بھتیجی بھی مگر عربوں میں سوتیلی ماں، چچازاد

بہن، سالی سے نکاح اور دو بہنوں اور ایک عورت اور اس کی بھتیجی کا اجتماع جائز تھا۔ جاہلیت میں یہ قانون تھا کہ کسی شخص کی موت کے بعد اس کی بیویاں بھی اس کے ترکے کا حصہ تصور کی جاتی تھیں، اور متوفی کا بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے شادی کر لیتا تھا۔

"Among the settled pagan Arabs, who were mostly influenced by the corrupt and effected civilization of the neighboring empires, a woman was considered a mere Chattel; She formed an integral part of the estate of her husband or her father, and the widows of a man descended to his son or sons by right of inheritance, as any other portion of his patrimony".[15]

"شہری عرب کفار کے یہاں جن پر ارد گرد کی مملکتوں کے فاسد اور انحطاط یافتہ تمدن کا اثر ہو چکا تھا۔ عورت محض ایک چیز بست سمجھی جاتی تھی، اور اپنے خاوند یا باپ کی جائیداد کا ایک حصہ شمار کی جاتی تھی، چنانچہ ایک متوفی مرد کی بیوائیں دوسرے املاک کی طرح اس کے بیٹوں کو ورثے میں ملتی تھیں"۔

معارف القرآن میں مفتی شفیع عثمانی بیان کرتے ہیں:

"جب کوئی مر جاتا تو اس کا لڑکا اس کی بیوی کا زیادہ حقدار سمجھا جاتا اگر چاہتا خود اپنی اس سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتا اور اگر چاہتا دوسرے کے نکاح میں دے دیتا مثلاً بھائی کے بھتیجے کے یا جس سے چاہے۔"[16] "جاہلیت کے زمانہ میں اس میں کوئی باک نہیں کیا جاتا تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کر لیتے تھے۔"[17]

ایام جاہلیت کے عام قوانین جو عورتوں سے متعلق تھے نیز تمدنی اثرات جو جاہلیت میں بالعموم رائج تھے اور جو لوگ اپنی عورتوں سے متعلق تمدنی جرم کرتے تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتے تھے اور اپنی بیوی کی موجودگی میں اس کی بہن سے بھی نکاح کر لیتے تھے یوں ایک وقت وہ دو بہنوں کے جمع کرنے کو معیوب نہیں سمجھتے تھے جو کہ واضح طور پر ان کی تمدنی حالت کو ظاہر کرتا ہے، کہ اس کا اثر ان کی خاندانی زندگی پر پڑتا تھا۔

((عن ابن عباس کان اهل الجاهلية يحرمون ماحرم الله تعالیٰ؛الا امراة الاب والجمع بين الا ختين۔ قال ابن جريج: كان الا بناء ينكحون نساء آ بائهم فی الجاهلية(18)من فعل الاعراب فی الجاهلية))[19]

"ابن عباسؓ نے کہا کہ جاہلیت والے ان عورتوں کو حرام سمجھتے تھے جن کو قرآن نے حرام کیا ہے مگر باپ کی بیوی اور دو بہنوں سے نکاح کا جائز کہتے ہیں، اسلام نے یہ بھی حرام کر دیا۔ ابن جریج نے کہا کہ بیٹے باپوں کے نکاح شدہ عورتوں سے جاہلیت میں نکاح کرتے تھے یہ جاہلیت میں عرب کا فعل تھا۔"

"الا ماقد سلف" کا یہ مطلب ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اس حکم سے پہلے جو دو بہنوں کو جمع کر لیتے تھے۔"[20] جہاں ایک طرف ان میں یہ دستور تھا کہ وہ سوتیلی ماں سے نکاح کو تو جائز سمجھتے تھے اور دو سگی بہنوں کے ساتھ ایک ہی وقت میں نکاح کرنا ان کے ہاں معیوب نہ تھا لیکن دوسری طرف اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کو ناجائز سمجھتے تھے: "اہل عرب جن کو متبنّیٰ بنایا کرتے ان کی

بیویوں کے بیوہ یا مطلقہ ہونے کے بعد بھی ان سے نکاح کرنا حرام خیال کرتے تھے۔"[21] اسی طرح لے پالک بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کو وہ لوگ اس طرح حرام قرار دیتے تھے جس طرح وہ اپنے نسبی بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کو۔ "نسبی رشتہ سے جن عورتوں کے ساتھ نکاح حرام ہوتا ہے کہ منہ بولے بیٹے کے رشتہ کو بھی ایسا ہی قرار دیتے، مثلاً جیسے اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی سے اس کے طلاق دینے کے بعد نکاح حرام رہتا ہے یہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کو بھی بعد طلاق اس شخص کے لیے حرام سمجھتے تھے۔"[22]

اسی طرح کے تضادِ فکر میں لوگ منہ بولے بیٹوں کے معاملے میں بھی مبتلا تھے۔ زمانہ جاہلیت میں منہ بولے بیٹوں کو بالکل صلبی بیٹوں کا درجہ دے دیا گیا تھا کسی شخص کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنے متبنّیٰ کی منکوحہ سے اس کی وفات یا طلاق کے بعد نکاح کرسکے اگرچہ یہ چیز اس فطری نظام عائلی کے بالکل خلاف تھی، لیکن وہ اس کو باطل طریقے سے اسی طرح اہمیت دیتے تھے جیسے سگے بیٹوں کو دیتے تھے۔

عرب معاشرہ میں نکاح کے جو قوانین رائج تھے ان میں عورت کو حق کی آزادی کا فقدان تھا۔ اس کے نکاح کے وقت اس کے بارے میں تمام تر فیصلے اس عورت کے خاندان کے ذکور کے مانے جاتے تھے۔ اگرچہ کہیں عورت کے اپنے لیے خاوند کے انتخاب کی مثالیں بھی نظر آتیں ہیں لیکن یہ تعداد بہت کم تھی، اس کے علاوہ خاندان کی ان عورتوں سے نکاح کرلینا کہ جو محرمات کے دائرہ میں آتی تھی جیسے سوتیلی ماں سے سوتیلے بیٹے کا نکاح اور بیوہ اور طلاق شدہ عورت کو دوسرے نکاح کی آزادی نہ تھی، نہ صرف عورت و مرد کے عائلی قوانین میں عورت کے حقوق کا فقدان نظر آتا ہے بلکہ اس کے پہلو بہ پہلو عربوں کی خاندانی زندگی پر اس دور کے جاہلی قوانین کی سب سے نمایاں جھلک یہ نظر آتی ہے کہ مرد اپنے لیے تو نکاح کی آزادی کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو نکاح کی تعداد سے بھی آزاد کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ جس قدر چاہتا عورتوں سے نکاح کرلیتا خواہ ان کے حقوق پورے کرسکے یا نہیں، یہی وجہ ہے کہ ایک طرف معاشرہ میں غلط روابط سے اولاد کا حصول بھی رائج نظر آتا ہے نکاح کے معاملہ میں یہ تمام انداز عربوں کے خاندانی نظام پر عہد جاہلیت کے اثرات کو نمایاں کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے خاندنی نظام میں باقاعدگی اور ربط کا فقدان ہے، کیونکہ ان کی زندگیاں اس عہد کے بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ جاہلی قوانین کے تحت گزرتی تھیں۔ اس لیے ان کی مثبت عائلی زندگی کے طور واطوار جاہلی قوانین کے نیچے دب جاتے ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں مہر:

زمانہ جاہلیت کے عربوں میں باضابطہ نکاحوں میں مہر کا تعین زوجہ کے فائدہ کے لیے رائج تھا، اور وہ معاہدہ نکاح کا ایک جزو سمجھا جاتا تھا۔ "عرب میں یہ دستور تھا کہ بروقت نکاح عورت کی خوشی اور عزت کے لیے اس کو کچھ نقد دیا جاتا تھا جس کو مہر کہتے تھے۔"[23]

مگر بعض صورتوں میں لڑکی کا ولی رقم مہر خود لے لیا کرتا تھا۔ مہر کی صورت میں ادا کی جانے والی رقم وہ ایک طرح کی ایک قیمت تھی جو اس کے والدین کو ادا کی جاتی تھی اور اکثر مہر کی یہ رقم لڑکی کے اولیاء خود اپنے پاس رکھ لیتے تھے اور اس پر لڑکی کا کوئی حقِ تصرف نہ تھا۔ لڑکی کے سرپرستوں میں اس کا باپ اس کا مہر وصول کرتا تھا، اس لیے کہ جو اس کی پرورش کرنے پر خرچ کیا ہے اس کے بدلے میں ایک رقم وصول کرسکے۔ جاہلی دور میں لڑکی کا باپ مہر کی رقم اپنے پاس رکھ لیتا تھا۔ مہر کو لڑکی کی قیمت تصور کیا جاتا تھا، جسے وہ لڑکی کی پرورش پر اٹھنے والے اخراجات کے طور پر وصول کرتا تھا۔

مہر کے متعلق عرب میں کئی قسم کے ظلم ہوتے تھے:

(1) ایک یہ کہ مہر جو لڑکی کا حق ہے اس کو نہ دیا جاتا تھا، بلکہ لڑکی کے اولیاء شوہر سے وصول کر لیتے تھے جو سراسر ظلم تھا۔

(2) دوسرا ظلم یہ بھی تھا کہ اگر کبھی کسی کو مہر دینا بھی پڑ گیا تو بہت تلخی کے ساتھ، بادلِ نخواستہ تاوان سمجھ کر دیتے تھے۔

(3) تیسرا ظلم مہر کے بارے میں یہ بھی ہوتا تھا کہ بہت سے شوہر یہ سمجھ کر کہ بیوی ان سے مجبور ہے مخالفت کر نہیں سکتی، دباؤ ڈال کر ان سے مہر معاف کر لیتے تھے، جس سے در حقیقت معافی نہ ہوتی تھی مگر وہ یہ سمجھ کر بے فکر ہو جاتے تھے کہ مہر معاف ہو گیا۔[24]

بعض اوقات بیوی کا کوئی قصور نہ ہونے کے باوجود محض طبعی طور پر وہ شوہر کو پسند نہ ہوتی تو شوہر اس کے حقوق زوجیت ادا نہ کرتا، مگر طلاق دے کر اس کی گلو خلاصی بھی اس لیے نہیں کرتا کہ یہ تنگ آ کر زیور اور زرِ مہر جو وہ اسے دے چکا ہے، واپس کر دے۔ یا ابھی نہیں دیا تو معاف کر دے تب اسے آزادی ملے گی۔ اور بعض اوقات شوہر طلاق بھی دے دیتا لیکن پھر بھی اپنی اس مطلقہ کو کسی دوسرے سے نکاح نہیں کرنے دیتا تاکہ وہ مجبور ہو کر اس کا دیا ہوا مہر واپس کر دے، یا واجب الاداء مہر کو معاف کر دے۔[25]

اس کے علاوہ عورت کو مہر سے محروم رکھنے کے لیے بعض اوقات ایک ترکیب یہ کی جاتی تھی جو نکاح شغار کے نام سے موسوم تھی۔ ایک شخص اپنی بیٹی یا بہن اس شرط سے دوسرے کے نکاح میں دیتا تھا کہ وہ شخص جو اس لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا تھا، بھی اپنی بیٹی یا بہن اس کے نکاح میں دے دے اس قسم کے نکاح میں کسی زوجہ کو کچھ مہر نہیں ملتا تھا۔ جاہلیت میں وقتی تعلقات کی بنا پر ازدواجی زندگی گزر رہی تھی وہاں زوجہ بے عصمتی کی حالت میں مہر کی مستحق نہیں رہتی تھی، اور اس بنا پر اکثر شوہر جھوٹے الزام اپنی بیویوں پر لگایا کرتے تھے تاکہ مہر ادا کیے بغیر وہ ان سے اپنا پیچھا چھڑا سکیں۔ "وہ لوگ اس عورت کو مجبور کرتے کہ وہ مہر کے حق سے دست بردار ہو جائے یا یونہی بے نکاحی بیٹھی رہے۔"[26] اکثر ایک مطلقہ یا بیوہ پر زور ڈال کر دعوی مہر سے دست بردار ی کرالی جاتی تھی یا اگر مہر ادا ہو چکا ہوتا تھا تو اس سے واپس کرالیا جاتا تھا۔

"ایامِ جاہلیت میں عرب بیوہ کے شوہر کا وارث یا تو اس سے بغیر مہر خود نکاح کر لیتا تھا یا اور کسی سے نکاح کر کے اس کا مہر آپ لے لیتا تھا مالدار بیوہ کو نکاح سے منع کر دیتے تھے، جب وہ مرتی تو ان کے آپ زبردستی وارث بن جاتے تھے۔ عرب میں یہ بھی خراب دستور تھا کہ جب کسی عورت منکوحہ سے دلی نفرت کر جاتا تھا اور اس کو مہر دے چکتے تھے تو اس سے نہایت بد خلقی سے پیش آتے تھے تاکہ یہ مجبور ہو کر مہر واپس دے کر خود طلاق طلب کرے۔"[27]

خاندانی زندگی میں عورت کو اس کے مہر کے حق سے محروم کرنا عربوں کی زندگیوں پر عہد جاہلیت کے اثر کو نمایاں کرتا ہے کیوں کہ وہ عورت کو اس کے مہر کے حق سے دست بردار کر کے اس کی شخصی آزادی کے ساتھ اس کے تشخص کو بھی مسخ کرتا ہے کیوں کہ اولیاء میں سے اکثر ایک عورت کا والد اس کے مہر وصول کر لیتا تھا جو کہ اس تشخص کی نفی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب وہ خاوند کے گھر جاتی تو وہ اس کی زندگی کو پورے طریقے سے اپنا حق سمجھ کر استعمال کرتا اور اس عورت کا مہر جب اس کا والد لے لیتا تھا تو وہ مالی لحاظ سے بھی کمزور ہوتی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی زندگی کی آزادی ختم ہو جاتی کیوں کہ اگر وہ اس کی کبھی مالک ہی نہ بنی تھی۔ عہد جاہلیت کے انہی

خود ساختہ قوانین کی وجہ سے ان کی خاندانی زندگی جاہلیت کے قوانین کے زیر اثر نظر آتی ہے۔ مزید نکاح شغار کی وجہ سے اس کا فائدہ اس باپ یا ولی خاص طور پر حاصل کرتا تھا اور اس کا ہونے والا شوہر ہر سے بچ جاتا اور عورت کے ولی کے حق سے مکمل طور پر محروم کر دیا جاتا ہے جو کہ انصاف کے سراسر خلاف تھا۔ لیکن اس معاملہ میں عورت کی رائے کو کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔

زمانہ جاہلیت میں میراث کے قوانین:

عربوں میں مالک جائیداد کو اپنی جائیداد پر کامل اختیار ہوتا تھا۔ عام طور پر عربوں کی جائیداد معمولی قسم کی ہوتی تھی۔ ان کی جائیداد کا بڑا حصہ اشیاء پر مشتمل ہوتا تھا۔ سکہ کا استعمال کچھ عرصہ سے ان کو معلوم تھا۔ غلام غیر معمولی اور قیمتی جائیداد سمجھے جاتے تھے۔ شہروں میں اچھے بنے ہوئے گھر اور دکانیں موجود تھیں اور زمین قدر و قیمت والی تھی۔ حقِ ملکیت شخصی تھا اور یہ لوگ مشترکہ خاندان کے اصول اشتراک جائیداد سے بالکل ناواقف تھے۔ جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ میں موروثی اور مکسوبہ کی کوئی تمیز نہ تھی۔ سوائے عبادت گاہوں کے کوئی ایسی جائیداد نہ ہوتی تھی جو عامہ خلائق کی ملکیت تصور کیا جاسکے۔ سوائے غلاموں کے جو کہ خود اپنے مالکوں کی جائیداد سمجھے جاتے تھے۔ عربوں کے خاندانی قانون کی رو سے ہر شخص جائیداد کا مالک ہونے رکھتا تھا۔

ایک عرب کو وصیت کے ذریعہ سے اپنی جائیداد کے انتقال کا ایسا ہی کامل اختیار تھا جیسا کہ اس کو اپنی زندگی میں اس جائیداد کے متعلق حاصل تھا۔ وصیت انتقال کرنے میں اس کے اختیار جائیداد کے کسی خاص حصہ یا کسی خاص قسم کی جائیداد تک محدود نہ تھے۔ وہ جس شخص کے حق میں چاہتا وصیت کر سکتا تھا۔ اس امر میں کوئی مانع نہ تھا کہ وہ اپنی کل جائیداد ایک غیر شخص کو جو چاہے دے دے اور اپنے رشتہ داروں کو افلاس کی حالت میں چھوڑ جائے یا اگر وہ چاہے اپنے ورثاء میں سے ایک وارث کو ترجیح دے کر دوسروں کو محروم کر دے۔ "اہل عرب کا دستور تھا کہ مرتے وقت اپنے مال کی وصیت ایسے لوگوں کے نام کر جاتے جن سے ان کا دور کا واسطہ بھی نہ ہوتا اور اپنے زعم باطل میں اسے سخاوت سے تعبیر کرتے۔ "(28) وراثت کا تعین قرابت، تبنیت اور معاہدہ پر ہوتا تھا۔ قسم اول میں بیٹے، پوتے، باپ، دادا، بھائی، چچازاد بھائی، چچا اور بھتیجے شریک تھے۔ ایک عرب کے مرنے پر اس کی وہ تمام جائیداد جس کو وہ منتقل کر چکتا تھا اس کے ایسے ذکور ورثاء پر منتقل ہوتی تھی جو ہتھیار اٹھانے کے قابل ہوتے تھے۔

"مشرکین عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی مر جاتا تو اس کی بڑی اولاد کو اس کا مال مل جاتا تھا۔ چھوٹی اولاد اور عورتیں بالکل محروم رہتیں۔ اہل جاہلیت تمام مال لڑکوں کو دیتے تھے اور لوگ جاہلیت کے زمانے میں ایسا ہی کرتے تھے کہ میراث صرف اسے دیتے تھے جو لڑنے جھگڑنے کے قابل ہو۔ سب سے بڑے لڑکے کو وارث کرتے تھے۔ اسلام سے پہلے نہ صرف عرب بلکہ ساری دنیا میں یہ حال رہا ہے کہ یتیموں اور عورتوں کا کیا ذکر، تمام ذکور ورثاء زور آور وارثوں کے رحم و کرم پر تھے۔"(29)

اور صرف بالغ لڑکوں کو جائیداد میں حصہ دیتے تھے اور اولاد میں اگر بچے لڑکے بھی ہوتے تو ان کو جائیداد میں حصہ نہیں دیتے تھے۔ "جاہلیت کے زمانے میں چھوٹی اولاد کو خواہ اولاد میں کوئی لڑکا ہی ہوتا صرف بالغ مردوں کو میراث کا حصہ دیتے تھے اور کہتے تھے ہم صرف اسی کو دیں گے جو دشمن سے لڑنے اور مال غنیمت لوٹے۔ (30)

عربوں میں یہ بھی دستور تھا کہ وہ جن لڑکوں کو بذریعہ تبنیت اور اپنے بیٹے بنا لیتے تھے ان کو بھی وہی حیثیت دیتے تھے۔ جو ان کے نسبی بیٹوں کی ہوتی تھی۔" جس کو منہ بولا بیٹا بنالیا کرتے وہ بھی ان کی وراثت میں حصہ دار بن جاتا۔"[31]

تیسری قسم کے ورثاء اس دستور سے پیدا ہوئے کہ دو عرب باہم معاہدہ کر لیتے تھے کہ ان میں سے ایک کی وفات پر معاہدہ کا دوسرا فریق اس کا وارث یا اس کے متروکہ میں سے ایک معین حصہ پانے کا مستحق ہوگا۔ "عہد جاہلیت کی ایک رسم یہ بھی تھی کہ جن لوگوں کی آپس میں دوستی ہوتی تھی وہ بھی ان کی وراثت میں حصہ ادر بن جاتا۔"[32] عہد جاہلیت میں عورت ہر قسم کی وراثت سے بیک جنبشِ قلم محروم تھیں۔ بلکہ وہ خود وراثت میں منتقل ہوتی تھیں۔ سوتیلی ماں، بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی۔[33]

قابل تقسیم جائیداد میں مختلف ورثاء کے حصے معین تھے، بلکہ ان کی تقسیم تہذیبی حالات کے مطابق ہوتی تھی۔ اکثر متوفی کا متروکہ قبیلہ کا سردار اس کے مسلمہ ورثاء میں تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ ایسی حالت میں ہر وارث کا حصہ بلحاظ اس وقت کے حالات کے مختلف ہوتا تھا۔ ایسی صورت میں بیٹیاں، بہنیں اور ماں کا متروکہ میں عرب میں میراث کی تقسیم کا یہ قاعدہ تھا کہ عورتیں چھوٹے بچے اپنے مرنے والے باپ اور خاوند وغیرہ کی وراثت سے یکسر محروم کر دیئے جاتے تھے۔ کیوں کہ عرب نے تو اصول ہی یہ بنالیا تھا کہ وراثت کا مستحق صرف وہ ہے جو گھوڑے پر سوار ہو دشمنوں کا مقابلہ کر کے اس کا مالِ غنیمت جمع کر لے۔

عہد جاہلیت میں وراثت کی تقسیم میں کوئی باضابطہ قوانین نہ تھے بلکہ اکثر وراثت مردوں کے درمیان میں تقسیم ہو جاتی تھی اور مردوں میں بھی جو کہ بالغ لڑکے ہوتے تھے اور خاندان کی عورتوں کو چاہے وہ کسی بھی رشتے میں ہو؛ ماں، بہن، بیوی، بیٹی کو وراثت میں کوئی حصہ نہیں ملتا تھا اور مردوں میں اگر بچے ہوتے تھے تو ان کو بھی میراث میں کوئی حصہ نہ ملتا تھا اس کی بنیادی وجہ تھی کہ ان کے ہاں ایک تو وراثت میں تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کی ملکیت شخصی ہوتی تھی۔ اس وجہ سے مالک زمین جس کو چاہتا اپنی جائیداد کا مالک بناتا اور جسے چاہتا محروم کر دیتا۔ اگر وہ مرنے سے پہلے اپنی زمین کے بارے میں چاہتا تو کسی دوست کے حق میں بھی اپنی زمین کی وصیت کر دیتا تھا۔ چاہے اس کے مرنے کے بعد اس کے خاندان کے لوگوں کو کتنی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ عہد جاہلیت میں وراثت کی اس غیر منصفانہ تقسیم کی وجہ سے ایک تو معاشرہ میں عورت معاشی لحاظ سے کمزور ہو جاتی اور دوسروں کے دستِ نگر ہو جاتی۔ دوسرے اگر وہ بیوہ یا مطلقہ ہو جاتی تو وراثت میں حصہ نہ ملنے کی وجہ سے بچوں کی کفالت بھی اس کے لیے نئے مسائل پیدا کرتی اور معاشرہ میں اس کی حالت کمزور سے کمزور تر ہوتی جاتی اور عہد جاہلیت کے ان خود ساختہ قوانین کی وجہ سے خاندانی نظام ابتر بن جاتا۔

عہد جاہلیت میں طلاق:

جس طرح عربوں کو غیر محدود نکاح کرنے کا اختیار تھا اسی طرح ان کو اپنے آپ کو تعلقات ازدواج سے آزاد کر لینے کا بھی کامل حق حاصل تھا۔ اس حق کو کام میں لانے کے لیے ان کو کسی وجہ کو ظاہر کرنے کی نہ ضرورت تھی اور نہ ان سے اس کی توقع کی جاتی تھی اور نہ اس کے لیے کسی خاص کارروائی کے اختیار کرنے کی حاجت سمجھی جاتی تھی۔ جو لفظ عام پر اس مقصد کے لیے بولا جاتا تھا وہ طلاق تھا۔

"جاہلیت میں طلاق کا عام طریقہ یہ رہا ہے کہ جس کو بھی بیوی پر کسی سبب سے غصہ آیا وہ نتائج و عواقب کا لحاظ کئے بغیر ایک ہی سانس میں تین ہی نہیں بلکہ ہزاروں طلاقیں دے ڈالتا اور ساتھ ہی اس کو گھر سے باہر بھی نکال دیتا کہ جب طلاق دے چھوڑی تو اب اپنے گھر میں اس کی ایک روٹی کا بھی خرچ کیوں برداشت کرے۔"(34)

اسی طرح عورت کو طلاق بائن کا دینا جس کے بعد وہ دوسرے شخص سے نکاح کر سکتے یا نہ دینا محض اس کے اختیارِ تمیزی پر منحصر تھا۔ اس کو طلاق سے رجوع کرکے ازدواجی تعلقات کو قائم رکھنے کا بھی حق حاصل تھا۔

" جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ خاوند جتنی چاہے طلاقیں دیتا چلا جائے اور عدت میں رجوع کرتا جائے اس سے عورتوں کی جان غضب میں تھی کہ طلاق عدت گزرنے کے قریب آئی رجوع کر لیا پھر طلاق دے دی۔ اس طرح عورتوں کو تنگ کرتے رہتے تھے۔ یونہی اس دکھیا عورت کی عمر برباد کر دیتے تھے کہ نہ سہاگن ہی رہے نہ بیوہ۔"(35)

بعض اوقات ایک عرب اپنی بیوی کو دس دس بار طلاق دے کر بھی اس کو اپنے ساتھ رکھ سکتا تھا۔ عورت ان حالات میں بالکل مرد کے رحم و کرم پر ہوتی تھی اور اس کو یہ معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ کب آزاد ہے اور کب نہیں۔ بعض اوقات شوہر اپنی بیوی سے بذریعہ طلاق معلق کے جدائی کر لیتا تھا۔ اس طریقہ سے تعلقات ازدواج زائل نہیں ہوتے تھے۔ صرف مرد کو اپنی عورت کے پاس رہنے سے انکار کرنے کا حق حاصل ہو جاتا تھا۔ "عرب میں قاعدہ یہ تھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو بے حد و حساب طلاق دے کر رجوع کرتا تھا کہ نہ تو وہ غریب اس کے ساتھ بس ہی سکے اور نہ اس سے آزاد ہو کر کسی اور سے نکاح ہی کر سکے۔"(36)

اس قسم کی طلاقوں سے جن میں عورتوں کو تنگ کرنا مقصود ہوتا تھا عربوں کی تہذیبی حالت کو ظاہر کرتی ہے کہ ان کی نگاہ میں عورت کی کوئی وقعت نہ تھی کہ اس کہ ایک تو لا تعداد طلاق دیتے تھے دوسرے اس کو معلق رکھ کر اس کی معاشرہ میں اہمیت کو کم کرتے تھے اور اس سب سے بڑھ کر جو ظلم سامنے آتا ہے وہ نہ صرف عورت کو مکمل آزادانہ کرتے تھے بلکہ اس بات کو بھی اپنے لیے باعثِ توہین سمجھتے تھے کہ عورت کسی اور سے نکاح کرکے اپنی زندگی گزار سکے اور مزید طلاق دیتے وقت شرائط رکھتے تھے کہ ان کی اجازت کے بغیر کسی سے نکاح نہیں کر سکے گی۔

اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا کہ عورت کو مہر و وراثت کے نہ ملنے کہ وجہ سے جو پہلے ہی معاشی طور پر کمزور ہوتی تھی کم ہی مرد سے آزادی حاصل کر سکتی تھی۔

"مکہ کے قریش میں یہ بات جاری تھی کہ کسی شخص نے کسی شریف عورت سے نکاح کیا اور موافقت نہ ہوئی تو یہ اسے طلاق دے دیتا تھا لیکن یہ شرط کر لیتا تھا کہ بغیر اس کی اجازت کے یہ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی اس بات پر گواہ شاہد مقرر ہو جاتے اور اقرار نامہ لکھ لیا جاتا اب اگر کہیں سے پیغام آئے اور وہ عورت راضی ہو تو یہ کہتا مجھے اتنی رقم دے تو میں تجھے نکاح کی اجازت دوں گا۔ اگر وہ ادا کر دیتی تو خیر ورنہ یونہی اسے روکے رکھتا اور دوسرا نکاح نہ کرنے دیتا۔"(37)

عہد جاہلیت میں مرد کو طلاق کا مکمل حق حاصل ہونے اور اس کے برعکس عورت کے پاس اس کی زیادتیوں کے باوجود کوئی راستہ نہ تھا جس کی وجہ سے نہ صرف وہ مرد کی خاندانی زندگی میں زیادتی برداشت کرتی تھی، بلکہ اگر وہ یتیم ہوتی تو اس کی جائیداد پر بھی قبضہ کر لیتا

اور اس کے شخصی حق کو ضبط کرلیتا یوں عورت مرد کے رحم و کرم پر ہوتی اور کسی صورت میں اس سے باآسانی چھٹکارا نہ پاسکتی تھی۔ عہد جاہلیت کے ان خود ساختہ قوانین نے ان کی خاندانی زندگی سے عدل وانصاف کم کردیا تھا۔ خاندانی لحاظ سے کمزور عورت کو مرد کے ظلم وستم کا نشانہ بننا پڑتا۔

زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو مردوں کو ان حقوق کے مقابلہ میں ایسا حق نہ تھا کہ وہ اس کے ذریعے سے اپنے آپ کو رشتہ ازدواج سے آزاد کرسکیں، ہاں اس کے والدین اس کے شوہر سے دوستانہ طریقہ پر باہمی قرارداد سے، اگر مہر ادا ہوچکا تھا تو اس کو واپس کرکے اور اگر غیر مؤدی ہوتا تھا تو اس سے دست برداری کرکے افتراق کراسکتے تھے۔ اس طریقہ کا نام خلع تھا، اس کے ذریعہ سے رشتہ ازدواج کامل طور سے زائل ہوجاتا تھا۔ "کسی شخص نے کسی شریف عورت سے نکاح کیا اور موافقت نہ ہوئی تو یہ اسے طلاق دے دیتا تھا لیکن یہ شرط کر لیتا تھا کہ بغیر اس کی اجازت کے یہ دوسری جگہ نکاح نہیں کرسکتی اس بات پر گواہ مقرر ہوجاتے اور اقرار نامہ لکھ لیا جاتا اب اگر کہیں سے پیغام آئے اور وہ عورت راضی ہو تو خیر ورنہ یونہی اسے روکے رکھتا اور دوسرا نکاح نہ کرنے دیتا۔"(38)

عہد جاہلیت کو قوانین میں ایک عورت نہ تو عام الفاظ مرد کے جو کہ وہ طلاق کے لیے استعمال کرتا تھا، چاہے اس کا تعلق ایلاء سے ہو یا ظہار سے، عورت کو مرد کے حق زوجیت سے نہیں نکالتے تھے بلکہ مرد و عورت کے درمیان ازدواجی تعلقات تو بعض صورتوں میں قائم نہیں رہتے تھے، لیکن مرد عورت پر اپنے حق کو ختم نہیں کرتا تھا۔ جب تک وہ نہ چاہے عورت کے پاس مرد سے طلاق کے بعد آزادی حاصل کرنے کا صرف ایک طریقہ تھا کہ وہ مہر جو اس نے عورت کو دیا تھا وہ واپس کردیتی یا مزید اسے مالی منفعت دیتی اور اس سے اپنے آپ کو نجات دلاسکتی تھی، جو کہ بہت کم حالات میں پیش آتا تھا۔

عہد جاہلیت میں خاندانی نظام میں چاہے اس کا تعلق نکاح سے ہو مہر، وراثت یا طلاق، مرد کو عورت کے مقابلہ میں مکمل آزادی نظر آتی ہے۔ جبکہ حالات کی تبدیلیوں کی وجہ سے بھی عرب اپنے خاندانی قوانین میں تبدیلیاں کرتے رہتے تھے، اور اس وقت کی ان کے ارد گرد تہذیبوں کا بھی ان کی زندگیوں پر اثر ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ نکاح میں بھی افراط و تفریط کا شکار نظر آتے ہیں۔ مہر و وراثت کی نا انصافی کی وجہ سے عورت ان کی خاندانی زندگی میں کمزور نظر آتی ہے، جبکہ ان زیادتیوں کی وجہ سے اگر عورت آزادی کی کوئی صورت طلاق حاصل کرکے پاسکتی تھی وہ بھی ناپید نظر آتی ہے کیونکہ اس صورت میں بھی وہ مرد کی صوابدید پر ہوتا تھا کہ وہ اسے آزاد کرے یا نہ کرے۔ یوں خاندانی نظام میں مرد کو ہر صورت میں برتری حاصل ہوتی تھی، جو کہ ان کے خاندانی نظام پر اس وقت کے جاہلی قوانین کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ ان کے ہاں باضابطہ قوانین کے فقدان کی وجہ سے عدل وانصاف کم نظر آتا ہے۔

عہد جاہلیت کے عائلی قوانین میں رسول اللہ ﷺ اصلاحات:

ہر قوم اپنے عائلی قوانین سطح پر بناتی ہے اور اپنے عائلی قوانین کو اپنا مذہبی شعار سمجھتی ہے کیونکہ یہ عائلی مسائل اس قدر نازک ہوتے ہیں کہ اکثر و بیشتر انہیں حل کرنے میں انسانی عقل جواب چھوڑ جاتی ہے۔ وہ اگر کسی ایک شکل کو حل نکالتی تو دوسری طرف بہت سے مشکلات کھڑی ہوجاتی ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسانی عقل اپنی تمام توانائیاں صرف کرنے کے بعد ایک مسئلہ کا حل نکالتی

ہے اور یہ سمجھ بیٹھتی ہے کہ مسئلہ دریافت ہوگیا ہے ان میں اب کوئی خرابی رونما نہیں ہوگی لیکن آگے چل کر معلوم ہوتا ہے کہ انسانی عقل کا یہ خیال محض ایک فریب اور دھوکہ کے سوا کچھ نہیں۔ اس سے پیدا شدہ بے شمار خرابیوں کو جڑ سے ختم کرنے کے لیے اللہ پاک نے قرآن کریم میں بڑی وضاحت کے ساتھ ان عائلی قوانین کا ذکر کیا ہے۔ اور پوری بنی نوع انسانی کے لیے زندگی کے ہر شعبہ میں اصلاح و فلاح کا دل نواز پیغام لے کر آیا ہے اور ان عائلی مسائل کو محض اجتہاد کے بھروسے پر نہیں چھوڑا بلکہ اس میں اسلامی عائلی قوانین بڑی وسیع اور واضح ہدایت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں بلکہ اپنی عام عادات کے خلاف اسلامی عائلی قوانین کو اس اہمیت کے قابل بنا دیا ہے کہ اس میں کوئی الجھن اوور کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے۔ مثال کے طور پر نکاح و طلاق کے متعلق احکام قرآن مجید کی پانچ سورتوں البقرۃ، النساء، النور، الاحزاب، طلاق کی تقریبا تیس آیتوں میں وراثت کے احکام، سورۃ النساء کے تقریبا پورے ایک رکوع میں یکجا بیان ہوئے ہیں۔ زوجین کے حقوق و فرائض کی تفصیلات بھی متعدد سورتوں میں بیان ہوئی ہیں اور ایسی بے شمار احادیث ہیں جن میں عائلی زندگی کے احکام بتائے گئے ہیں۔ عائلی قوانین و نظام کی پہلی کڑی نکاح و طلاق ہے۔ لیکن یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اس نازک موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے اپنی نجی زندگی کے ایسے بہت گوشوں سے اپنی امت کو باخبر کیا جن کی پیروی ایک کامیاب ازدواجی زندگی گزارنے کے لیے ناگزیر ہے۔ کیونکہ رسول للہ ﷺ کو اللہ تعالی نے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے آپ ﷺ کا یہ عظیم وصف اللہ تعالی نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾[39]

"اور (اے محمد ﷺ) ہم نے تم کو تمام جہان کے لئے رحمت (بنا کر) بھیجا ہے۔"

عہد جاہلیت میں عربوں کے ہاں باقاعدہ نکاح کے طریقے رائج نہ تھے بلکہ وہ حالات کے مطابق ان میں تبدیلیاں کرتے رہتے تھے اسلام نے ان تمام طریقوں کو ختم کرکے کامل طریقے کو باقی رکھا اور دیگر کو ختم کر دیا۔ اس لئے ایسے تمام معاملات اور قوانین جو معاشرہ کے لیے تکلیف کا باعث تھے ان کو رسول اللہ ﷺ نے مکمل طور پر تبدیل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کا واضح فرمان ہے:

((كل أمرٍ من أمور الجاهليةِ تحت قدَمي موضوع۔))[40]

"بے شک جاہلیت کے تمام امور میرے اِن دونوں قدموں کے نیچے روند دیے گئے ہیں"۔

جبکہ دوسری حدیث میں حکمت کو لازم پکڑنے کی بات کی گئی ہے۔

((كلمة الحكمة ضالة المؤمن اينما وجدها فهو أحق بها))41

"حکمت کی بات مومن کی گم شدہ میراث ہے لہٰذا اسے جہاں ملے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔"

اوپر بیان کردہ ان دو احادیث میں ایک لطیف تطبیق ممکن ہے۔ اس طرح بعض اور احادیث و آثار میں یہ بات مل جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض معاملات میں امور جاہلیت کے قوانین کو قائم رکھا اور بعد میں خلافت راشدہ میں بعض سیاسی، انتظامی و سماجی معاملات میں ان سے فائدہ اٹھایا گیا۔ اس حوالے سے صاحبزادہ امانت رسول کی تعبیر بہت معقول معلوم ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

" اسلامی ریاست میں موجود اداروں کو مستقل شکل جناب فاروق اعظمؓ کے دور حکومت میں ہی ملی، اور پھر بعد کے دونوں خلفاء نے اس نظم کو قائم رکھا۔ جناب فاروق اعظمؓ نے اسلامی روح کے مطابق "الحکمۃ ضالۃ المؤمن" کے اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے جہاں سے بھی کوئی ایسی چیز ملی جو اُمت کے لیے نفع بخش تھی، اسے قبول کرکے اسلامی نظام کا حصہ بنادیا اور قطعاً کسی تعصب کو خاطر میں نہیں لائے، اور یہی انداز فکر تھا جسے رسول ﷺ نے روشناس کرایا۔ آنحضرت ﷺ نے عرب جاہلیہ کے بعض قوانین اور رسومات کو پہلی شرائع کو من و عن قبول فرمایا، اور آپ کے صحابہ نے بھی یہی طرز عمل اختیار کیا"۔ [42]

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ بعض معاملات کو آپ نے جوں کا توں رکھا، جبکہ بعض معاملات کو جزوی اور بعض معاملات کو مکمل طور پر بدل دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے عائلی معاملات میں جو اصلاحات کیں ان کو درج ذیل نقاط میں بیان کیا جاتا ہے۔

تعدد ازدواج:

عہد جاہلیت میں ایک مرد دس دس عورتوں سے شادی کرسکتا تھا لیکن اسلام نے اس کو محدود کرکے صرف چار تک رکھا ہے اور اس میں بھی یہ شرط رکھی ہے کہ ان کے ساتھ انصاف کرو اور اگر انصاف نہ کرسکو تو پھر تین اور اگر ان کے ساتھ بھی انصاف نہ کرسکو تو دو اور اگر ان کے ساتھ بھی انصاف نہ کرسکو تو پھر ایک ہی کافی ہے۔ اسی طرح اسلام میں طلاق یافتہ عورت کا سابقہ شوہر اسے نئے نکاح سے نہیں روک سکتا کیونکہ وہ عدت گزارنے کے بعد آزاد ہے۔ اس لیے اسلام نے باکرہ، مطلقہ کے علاوہ عورت کو بھی دوسرا نکاح کرنے کا حق دیا ہے اسلام میں نکاح کے سلسلے میں مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں کرتا اور فطرت انسانی کو اہمیت دیتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے اس معاملے کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا؛

﴿فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا۔﴾ [43]

"جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو یا تین تین یا چار چار ان سے نکاح کرلو۔ اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ (سب عورتوں سے) یکساں سلوک نہ کرسکوگے تو ایک عورت (کافی ہے) یا لونڈی جس کے تم مالک ہو۔ اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤگے۔"

جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اس معاملے کی بڑی شاندار اصلاح فرمائی۔ آپ ﷺ نے متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعن کو حکم دیا کہ جن کے عقد میں چار سے زائد ازواج ہیں ان میں چار کو روک لیں اور باقی سب کو طلاق دے دیں۔

((أنَّ غيلانَ بنَ سلمةَ الثَّقفيَّ أسلمَ ولَهُ عشرُ نسوةٍ في الجاهليَّةِ فأسلمنَ معَهُ فأمرَهُ النَّبيُّ صلى الله عليه وسلم أن يتخيَّرَ منْهنَّ أربعًا)) **[44]**

"حضرت غیلان ثقفی بیان کرتے ہیں جب وہ اسلام لائے تو ان کے حرم میں دس بیویاں تھیں انہیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ان میں چار روک لو باقی سب کو طلاق دے دو"۔

حق مہر:

اسلام میں عورت کے ساتھ عقد نکاح کی صورت میں مہر دینا واجب قرار دیا ہے۔ اسلام کے خاندانی قوانین میں مہر کی اس قدر اہمیت ہے کہ اس کے متعدد نام فقہاء نے بیان کیے ہیں کیونکہ یہ وہ مال ہے جو عورت سے تمتع حاصل کرنے کے عوض دیا جاتا ہے کیوں کہ مہر خالصتاً اللہ تعالی کی طرف سے عورت کو عطا کیا گیا ہے اس کے برعکس زمانہ جاہلیت میں لڑکی کے اولیاء لے لیا کرتے تھے اسلام نے گھریلو معاملات عورت کے ذمہ اور باہر کے معاملات مرد کے لیے رکھے ہیں۔ مہر مرد کی طرف ایک لازمی ہدیہ ہے اور عورت کا شرعی حق ہے اس کے علاوہ شریعت نے مرد و زن کی ذمہ داریوں کی تعلیم خود ہی بیان کر دی ہے۔ قرآن مجید میں مہر کی فرضیت کو اس انداز میں آیات قرآنی میں پیش کیا کہ اللہ تعالی نے کلام پاک میں مہر کو اپنی طرف سے عطا کردہ عطیہ کہا ہے۔ جس طرح عربوں میں مہر محدود نکاح کرنے کا اختیار اس طرح ان کو اپنے آپ کو تعلقات ازدواج سے آزاد کر لینے کا بھی کامل حق تھا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے مہر کو لازم قرار دیتے ہوئے اس معاملے کی اصلاح فرمائی۔

﴿وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا﴾

"اور اگر تم ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت کرنی چاہو۔ اور پہلی عورت کو بہت سال مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ مت لینا۔ بھلا تم ناجائز طور پر اور صریح ظلم سے اپنا مال اس سے واپس لے لوگے؟۔ اور تم دیا ہوا مال کیونکر واپس لے سکتے ہو جب کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو۔ اور وہ تم سے عہد واثق بھی لے چکی ہے"۔

جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اس معاملے کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا:

"جو شخص نکاح کرے اور اس کی حق مہر ادا کرنے کی نیت نہیں تو وہ اللہ کے ہاں زانی شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی سے کوئی چیز خریدے اور اس کے دل میں قیمت ادا کرنے کا ارادہ نہیں وہ اللہ کے ہاں خائن شمار ہوتا ہے"۔[45]

طلاق کے معاملات میں اصلاح:

طلاق کے معنی ترک کرنے اور چھٹکارا پانے کے بھی ہیں۔ طلاق قید نکاح کو ختم کرنے کا نام ہے۔ اسلام نے باوجود شدید ضرورت کے طلاق کے استعمال کا اختیار مرد کو بھی نہیں دیا بلکہ مختلف انداز میں اسے اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس لیے اسلام دونوں کو آپس میں در گزر کرنے کا حکم دیتا ہے اس لیے اسلام نے طلاقِ ثلاثہ سے منع کیا ہے۔ نیز حالتِ حیض یا جس طہر میں عورت کے ساتھ مباشرت وصحبت کرنی ہو اس میں بھی طلاق دینا حرام ہے۔ یہ وصف شریعت اسلامیہ کو حاصل ہے کہ اس نے عورتوں کو طلاق کے باوجود گھروں میں سکونت کرنے اور انھیں گھروں سے نکالنے سے منع کر دیا ہے۔ کیونکہ یہ عمل ان کے لیے باعث تکلیف ہے۔ طلاق

چونکہ غصہ نکالنے یا انتقام لینے کی چیز نہیں ہے بلکہ بدرجہ مجبوری طرفین کی راحت کا انتظام ہے اس لیے طلاق دینے کے وقت اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اس لیے اگر کوئی طلاق کے بعد رجوع کرنا چاہتا ہے تو اس نیت سے کرے کہ اب حسن سلوک سے رہنا ہے ورنہ بہتر ہے کہ شریفانہ طریقے سے رخصت کردے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے طلاق کے معاملے کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا:

﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَن يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ﴾[46]

ترجمہ: "طلاق دو مرتبہ ہے پھر خواہ رکھ لینا قاعدہ کے موافق، خواہ چھوڑ دینا خوش اسلوبی کے ساتھ۔ اور تمھارے لیے یہ بات حلال نہیں کہ (وقت رخصت) اس میں سے کوئی چیز بھی واپس لو جو تم نے ان کو دے رکھی ہے۔ مگر اس وقت جب میاں بیوی کو احتمال ہو کہ وہ اللہ کے حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔"

جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں فرمایا:

"ابن عباس نے روایت کی ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں۔ اس پر ان کو شدید رنج ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا، تم نے کس طرح طلاق دی تھی۔ انھوں نے کہاکہ تین طلاق۔ پھر پوچھاکہ ایک ہی مجلس میں؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ ایک ہی طلاق ہے، اگر تم چاہو تو رجوع کر سکتے ہو۔ چنانچہ رکانہ نے رجوع کر لیا[47]۔"

میراث کے معاملات میں اصلاح:

جاہلیت میں وہ عورتوں اور نابالغ بچوں کو میراث نہیں دیتے تھے تو اسلام نے حکم دیا کہ وہ بھی میراث کے مستحق ہیں۔ میراث وہ شئے ہے جو کہ کسی کے مرنے کے بعد کسی شخص کو ملتی ہے۔ میراث کے لیے وراثت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن سے بھی یہ ثابت شدہ ہے کہ وراثت کے حصول کی تقسیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کی مصلحتوں کو کوئی نہیں جان سکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان حصص کی تقسیم خود کردی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس معاملے کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا؛

﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ﴾[48]

"ماں باپ اور خویش واقارب کے ترکہ میں مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی۔ (جو مال ماں باپ اور خویش واقارب چھوڑ مریں) خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ (اس میں) حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔ اور جب تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم اور مسکین آجائیں تو تم اس میں سے تھوڑا بہت انہیں بھی دے دو"۔

شریعت اسلامیہ نے ان تمام وارثوں کے حصوں کو قطعی اور واجب کر دیے ہیں۔ کسی کے لیے ان کو تبدیل کرنا جائز نہیں ہے۔ میزان کے سلسلے میں یہ اہم حق جو اسلام نے عورت کو دیا انہیں مردوں کی طرح میراث میں حصہ دار قرار دیا۔ اسلام نے ہر ایک کے حصوں کی تقسیم کو بیان کر دیا ہے۔ عورت کی وراثت کے حوالے سے اسلام خصوصی تلقین کرتا ہے۔

﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴾[49]

"اور ہم نے ہر اس ترکہ کے حقدار مقرر کر دیے ہیں جو والدین اور رشتہ دار چھوڑیں۔اب رہے وہ لوگ جن سے تمہارے عہد وپیمان ہوں تو ان کا حصہ اُنھیں دو۔یقیناًاللہ ہر چیز پر نگران ہے۔"

جبکہ رسول اللہ ﷺ نے معاملے کی حساسیت کے پیش نظر آخری خطبہ میں ارشاد فرمایا؛

"اللہ تعالیٰ بزرگ وبرتر ہے ،اس نے ہر صاحب حق کا حق مقرر کر دیا ہے لہٰذا اب وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں،البتہ متوفی کی حیات کے بعد وارث باہمی رضامندی سے ایسا کرنے کا حق رکھتے ہیں۔50"

اسلام نے عورت کو ہر رشتے میں تحفظ فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر اقوام کے مقابلے میں بہترین وراثت کا نظام دیا ہے جو کہ عائلی زندگی کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کا سبب ہے اس کے برعکس اگر کوئی نظام رائج کیا جاتا ہے تو اس سے پورے خاندانی نظام کو مضر اثرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ یہی طریقہ ہے جس کے ذریعہ خاندانی نظام میں بہتری لائی جاسکتی ہے۔ اسلام نے عورت کے لیے وراثت میں نہ صرف حصہ مقرر کیا بلکہ اس کو بہت سی معاشی ذمہ داریوں سے آزاد کرکے اس کا پورا اکرام واحترام کیا ہے۔ اگر پھر بھی کوئی شخص اسلام کے اصول وراثت پر اعتراض کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ یا تو اسلام سے تعصب رکھتا ہے یا پھر اسلام کی تعلیمات سے واقفیت نہیں رکھتا۔ بقول پروفیسر نجیب الحق :

"اسلام میں وراثت کی تقسیم جنس کی بنیاد پر نہیں بلکہ مخصوص ذمہ داریوں کی وجہ سے انتظامی بنیاد پر ہے۔اور وراثت کی یہ تقسیم عین عدل وانصاف کا تقاضا ہے۔ دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ اسلام نے عورت پر کتنا احسان کیا ہے اور اس کو کتنی اہمیت دی ہے کہ اس پر کوئی معاشی ذمہ داری نہیں ڈالی مگر پھر بھی اس کے لیے نہ صرف وراثت میں حصہ مقرر کیا، بلکہ اس کے لیے سرمایے کے حصول اور اس کے تحفظ کے کئی ذرائع متعین کیے اور اسے اپنے اس 'محفوظ سرمایے' کے استعمال میں کلّی طور پر خود مختار بھی بنا دیا۔ حتیٰ کہ اس کے شوہر پر بھی یہ پابندی لگا دی کہ وہ بیوی کی اجازت کے بغیر اس کا سرمایہ استعمال نہیں کر سکتا، جب کہ بیوی ضرورت کے مطابق شوہر کے مال سے خرچ کرنے کی مجاز ہے۔"[51]

سب سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے معاملے میں نرمی کا حکم دیا ور اپنے آپ کو بطور نمونہ پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(("خیرکم خیرکم لأهله و انا خیرکم لاهلی")) -[52]

"تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہے اور میں اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہوں"۔

اوپر بیان کردہ بحث یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہاسلام انسانوں کے تمام معاملات کی اصلاح فرما کر معاشرے کو امن کا گہوارہ بناتا ہے۔ لہٰذا جس طرح انسانی جسم کو پروان چڑھنے کے لیے مادی غذاوں کی ضرورت ہے اسی طرح انسانوں کی روحانی ضروریات کے لیے روحانی غذاوں کی ضرورت ہے۔ روحانی غذاوں سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکامات اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ہیں جو انسانوں کو ایک جامع اور مکمل نظام حیات سے روشناس کراتی ہیں۔ سب سے آخر میں نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا اور آپ ﷺ کے ذریعے جو نظام حیات قیامت تک انسانوں کو دیا گیا اسی کا نام شریعت اسلامی ہے۔ ان میں اہم ترین عائلی قوانین ہیں اور اسلامی عائلی قوانین کا مقصد انسانوں کو دنیاوی کامیابی اور اخروی سعادت سے سرفراز کرنا ہے۔

نتائج بحث:

اس مقالہ کے اہم نتائج درج ذیل ہیں۔

1. خاندان کی تشکیل ضروری اس لیے ہے کہ گھر جائے سکون ہے جسکا ثبوت حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوا علیہ السلام کی تخلیق ہے۔ روئے زمین پر سب سے پہلا کنبہ حضرت آدم علیہ السلام کا تھا جس سے نسل انسانی کی ابتداء ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کو چونکہ عائلی زندگی اپنی مخلوق کے لیے پسند تھی اس لیے قرآن حکیم میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو اس سے طالب اولاد ہوئے۔
2. زمانہ جاہلیت میں خاندانی قوانین نظر آتے ہیں جو کہ افراط و تفریط کا شکار تھے۔ عرب معاشرے میں نکاح کے معاملے میں مرد کو مکمل آزادی تھی جتنی چاہتا شادیاں کرلیتا جب کہ عورت نکاح کے معاملے میں اولیاء کے رحم و کرم پر ہوتی تھی۔ مہر عورت کے اولیاء کو ملتا جبکہ جائیداد کے معاملے میں بھی مرد کو حقدار بنایا جاتا اور عورت محروم نظر آتی۔ اسی طرح طلاق کے معاملے میں بھی عورت شوہر کے رحم و کرم پر ہوتی۔ عورت کو طلاق لینے کا حق حاصل نہیں تھا۔
3. اسلام کا تصور خاندان بہت وسیع اور منظّم حیثیت رکھتا ہے۔ خاندان کی ابتداء جہاں بیوی کے رشتہ نکاح سے ہوتی ہے وہاں اسلام معاشرے میں ناجائز تعلقات کو روکنے کے لیے نکاح کی مرد اور بعض صورتوں میں عورت کو مکمل آزادی دیتا ہے اور نکاح کو انبیاء کی سنت قرار دیتا ہے۔
4. اسلام مہر و نان و نفقہ کے ذریعہ عورت کو معاشی تحفظ دے کر خاندان کو مزید مضبوط کرتا ہے اور یہ مرد کی ذمہ داری قرار دیتا ہے تاکہ عورت معاشی جد و جہد میں مجبوراً شریک ہو کر اپنے احترام نسوانیت اور خاندانی زندگی کو تباہ نہ کرے۔
5. اسلام میں میراث کے حوالے سے بھی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واضح احکامات بیان فرمائے ہیں۔ اسی طرح اگرچہ طلاق کے معاملے میں مرد کو اختیار دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود اسے نصیحت کردی گئی ہے کہ ہر ممکن اصلاح کا راستہ نکالا جائے اور طلاق کو صرف ناگزیر حالات میں ہی عمل لاگو کرنے کا حکم دے کر عورت کو خاندانی قوانین میں تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

([1]) صحیح بخاری، دارالسلام، الریاض، المملکۃ العربیہ السعودیہ، الطبعۃ الاُولیٰ، اپریل، 1999ء، کتاب النکاح، باب من قال لا نکاح الا بولی، حدیث: 5127

([2]) محمد برہان الدین، معاشرتی مسائل دین فطرت کی روشنی میں، فیرزپور روڈ لاہور، 1985ء، ص 64، 65

(3) النساء: 25/4

([4]) جواد علی، المفصل فی تاریخ المعرب قبل الاسلام، دارالعلم للملایین، بیروت، 1970ء۔ 629/4

([5]) اختیارات ابن قدامۃ الفقہیۃ، 67/3

[6] ابی عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر النمری القرطبیؒ، الاستذکار، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، 456/5، 464

([7])Syed Ameer Ali, The spirit of Islam (London: Christophers،1902), 227.

(8) محمد عاشق الٰہی، انوارالبیان، ادارہ تالیفات اشرفیہ، لاہور، 1434ھ، 438/1، ص: ۹۷

(9) عمادالدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر ابن کثیر، مکتبہ قدوسیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور، س ن، 93/1

(10) ابوداؤد، سنن ابی داؤد، دارالسلام، الریاض، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، الطبعۃ الاولی، اپریل 1999ء، اول کتاب النکاح، باب فی قولہ تعالیٰ: لایحل لکم ان ترثوا النساء کرھا ولا تعضلوھن، حدیث: 2089، ص: 1376

([11]) تفسیر ابن کثیر، 92/1

([12]) مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف کراچی، 1996ء، 285/2

([13]) ڈاکٹر جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، دارالساقی، 2001ء، 633/4، 634

([14]) تفسیر ابن کثیر، 93/1

۔ Ameer Ali Syed, The Spirit of Islam, P: 257)[15](

([16]) تفسیر ابن کثیر، 92/1

([17]) معارف القرآن، 357/2

([18]) ابوجعفر محمد بن جریر الطبري، جامع البیان عن تاویل ایي القرآن، داراحیاء التراث العربي، بیروت، لبنان، 2001ء، الجزء الرابع، ص: 393

([19]) ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی، احکام القرآن، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان، 2000ء، المجلد الاول، ص: 718

([20]) شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی، دارالاشاعت کراچی، 2000ء، 264/1، 265

([21]) پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، 1997ء، 333/1

([22]) معارف القرآن، 83/7

([23]) محمد عبدالحق حقانی، تفسیر حقانی، میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی، 1969ء جلد سوم، ص: 180

([24]) معارف القرآن، 297/2، 298

([25]) ایضاً، 351/2

([26]) تفسیر ابن کثیر، 92/1

([27]) تفسیر حقانی، جلد سوم، ص:176

([28]) ضیاءالقرآن، جلد اول، ص:122

([29]) تفسیر ابن کثیر، جلد اول، ص:80،83،84

([30]) محمد ثناءاللہ عثمانی، تفسیر مظہری، دارالاشاعت اردو بازار، کراچی، 1999ء، جلد دوم، ص:495

([31]) ضیاءالقرآن، جلد اول، ص:341

([32]) ایضاً، جلد اول، ص:341

([33]) عبدالرحیم، ترجمہ، ڈاکٹر رشید جالندھری، اسلامی میراث میں خاندانی منصوبہ بندی، اقوام متحدہ فنڈ برائے بہبود آبادی، اسلام آباد، 1996ء، ص:92

(34) امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، جلد ہفتم، ادارہ فاران فاؤنڈیشن، ۱۴۰۳ھ ص:435

([35]) تفسیر ابن کثیر، جلد اوّل، ص:317/322

([36]) تفہیم القرآن، جلد اوّل، ص:174

([37]) ایضاً، جلد اوّل، ص:93

([38]) تفسیر ابنِ کثیر، جلد اوّل، ص:93

([39]) سورۃالانبیاء:۱۰۷

([40]) القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، دارالسلام، لاہور، ط۱۴۳۵، رقم الحدیث:1218

([41]) ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، دارالسلام، لاہور، ۲۰۰۸، رقم الحدیث:۴۱۶۹

([42]) صاحبزادہ امانت رسول، اقوام عالم کے رواج و قوانین اور اسلام کا معیارِ ردّ و قبول، سہ ماہی تجزیات، شمارہ نمبر ۳۷، اپریل ۲۰۱۵، ص:۷

([43]) سورۃالنسآء۳:۴

([44]) الترمذی، محمد بن عیسی، جامع ترمذی، دارالسلام، لاہور، ۲۰۰۸، رقم الحدیث:۱۱۲۸

([45]) عبداللہ بن محمد بن إبراھیم بن أبي شیبة، مصنف ابن ابی شیبہ، دار کنوز اشبیلیا، ۲۰۱۵، رقم الحدیث:۱۸۶۹۹

([46]) سورۃالبقرۃ۲۲۹

([47]) مسند احمد، ۲۶۵/۱

([48]) سورۃالنساء۷۔۸

([49]) سورہالنسآ۳۳

([50]) سنن ابوداود، رقم الحدیث۲۸۷۰

([51]) http://jamaatwomen.org/page/women/inheritance-for-women-in-islam/Accessed ; 3/11/19

([52]) جامع ترمذی، رقم الحدیث:۳۸۹۵